سخنورِ دکن

ملک الشعراء مُلا نصرتی کے نادر و نایاب کلام

کی پہلی اشاعت

دیوانِ نصرتی

★

مرتبہ

(مع مقدمہ اور فرہنگ)

جمیل جالبی

★

قوسین

تھارنٹن روڈ ، لاہور

Scanned with CamScanner

فہرست

مقدمہ — جمیل جالبی ۱

مثنوی

تاریخِ اسکندری ۱۷

قصاید

قصیدہ چرخیہ ۳۷

گھوڑا مانگنے کی درخواست بادشاہ سے ۴۶

قصیدہ ۴۷

مخمسات

مخمس — ۱ ۴۹

مخمس — ۲ ۵۰

ہجو

ہجوِ سخنور ۵۲

غزلیات ۵۶

رباعیات ۷۲

قطعات ۷۸

غزلِ فارسی ۷۹

فرہنگ ۸۱

Scanned with CamScanner

دیوانِ نصرتی

مقدمہ

جب دکن کی رفیع الشان بہمنی سلطنت طبقاتی نفرت اور ملکی و غیرملکی کے جھگڑوں کی وجہ سے منہدم ہوگئی تو اس سلطنت کے مختلف صوبے دار اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پانچ سلطنتیں وجود میں آ گئیں ۔ ان سلطنتوں میں گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتوں کے نام اپنی علم پروری اور ادب و فن کی سرپرستی کی وجہ سے آج بھی تاریخ کے صفحات پر جگمگا رہے ہیں ۔ سلطنت بیجاپور ۸۹۷ھ سے ۱۰۹۸ھ تک قائم رہی اور پھر اورنگ زیب عالمگیر کے آخری دور میں مغلیہ سلطنت کا حصہ بن گئی ۔ ملک الشعرا "ملا" نصرتی اسی سلطنتِ بیجاپور کے آخری دور کا سب سے بڑا شاعر ہے جس نے تین بادشاہوں — محمد عادل شاہ ، علی عادل شاہ ثانی شاہی اور سکندر عادل شاہ کا دورِ حکومت دیکھا ۔ محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ—۱۰۶۷ھ) کے دورِ حکومت میں اس نے "قصیدۂ چرخیہ" لکھا جو نہ صرف فنی اعتبار سے بلکہ روانی ، کلام کی شیرینی اور جذبۂ خلوص کی وجہ سے ایک خاصے کی چیز ہے ۔ اس قصیدے میں بظاہر محمد عادل شاہ کا نام نہیں آیا لیکن نعتِ رسولؐ کے بعد جس خوبصورتی سے اس نے "محمدؐ" عادل شاہ کی طرف اشارہ کرکے مدح کی ہے وہ فنی اعتبار سے ایک لطیف تخلیقی عمل ہے ۔ نعت کے بعد نصرتی لکھتا ہے :

حمد ہے منعم کیرا خلق پہ اس دور کے
ہے جو او "اسمے رسول" "خسروے ملکِ دکھن"
لطف سوں دھریا الاہ شاہ کی شاہی تلک
جگ میں جگت پر اچھے عیش پرم کے پٹن

پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں بتایا ہے کہ "اسم رسول" یعنی محمدؐ (عادل شاہ) "خسروِ ملکِ دکھن" ہے ۔ یہ بادشاہ سنی العقیدہ تھا اس لیے اس قصیدے میں

Scanned with CamScanner

خلفاے راشدین کی تعریف بھی ملتی ہے :

جس کوں اہل یار میں جنو کے وفادار ہیں
سب میں بڑے چار ہیں دین کوں نایم رکھن
صادق ابوبکرؓ امیر والی عادل عمرؓ
شرف کے عثمانؓ شرف شاہ علیؓ صف شکن

محمد عادل شاہ کے بیٹے علی عادل شاہ ثانی شاہی (۱۰۶۷ھ—۱۰۸۳ھ) کا دورِ حکومت نصرتی کی تخلیقی قوتوں کا حقیقی دور ہے جس میں اُس نے متعدد غزلوں ، قصائد اور رباعیات وغیرہ کے علاوہ اپنی مشہورِ زمانہ عشقیہ مثنوی ''گلشنِ عشق'' اور رزمیہ مثنوی ''علی نامہ'' لکھے ۔ سکندر عادل شاہ (۱۰۸۳ھ —۱۰۹۷ھ) کے دور میں ، جو سلطنت بیجاپور کا آخری بادشاہ ہے ، اُس نے ''تاریخ اسکندری'' لکھی ۔ ''گلشنِ عشق[۱]'' اور ''علی نامہ[۲]'' شائع ہو چکے ہیں لیکن ''تاریخ اسکندری'' اور بقیہ کلام اب تک نایاب تھا ۔ ''تاریخ ادب اُردو'' پر تن تنہا کام کرتے ہوئے جب میں سینکڑوں بیاضوں اور مخطوطات کے جنگل سے گزرا تو مجھے اکثر 'ملا' نصرتی کا کلام بھی ملتا رہا جسے میں دوسرے شعراء کے نایاب کلام کی طرح جمع کرتا رہا ۔ تاریخ ادب اُردو میں نصرتی پر لکھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ ریزہ ریزہ کرکے میرے پاس نصرتی کا اتنا کلام جمع ہو گیا ہے کہ اب نصرتی پر لکھنا اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنا آسان ہے ۔ نصرتی کا یہی وہ نادر و نایاب کلام ہے جسے ترتیب دے کر اب ''دیوانِ نصرتی'' کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے ۔ جیسے ''دیوانِ[۳] حسن شوق'' ادبِ اُردو کے دورِ قدیم اور قبلِ ولی کی روایت کے مطالعے کے لیے غیرمعمولی اہمیت رکھتا ہے ، اسی طرح 'ملا' نصرتی کا یہ غیر مطبوعہ و نایاب کلام بھی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے ۔

نصرتی وہ شاعر ہے جس کے کلام میں بیجاپوری اسلوب اپنے نقطۂ عروج کو

۱۔ ''گلشنِ عشق'' از نصرتی مرتبہ مولوی عبدالحق ، مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان ، کراچی ، ۱۹۵۲ع ۔

۲۔ ''علی نامہ'' از نصرتی ، مرتبہ پروفیسر عبدالمجید صدیقی ، مطبوعہ سالار جنگ دکنی پبلشنگ کمیٹی ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۵۹ع ۔

۳۔ دیوانِ حسن شوق ، مرتبہ جمیل جالبی ، مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان ، کراچی ، ۱۹۷۱ع ۔

Scanned with CamScanner

پہنچا ۔ وہ اس اسلوب کا سب سے بڑا نمائندہ ہے ۔ بیجاپوری اسلوب کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اس کا خمیر گجری اُردو کے خمیر سے اُٹھا ہے ۔ گجری ادب کے مزاج پر ، اس کے ذخیرۂ الفاظ و طرز فکر پر ، انداز بیان ، لہجہ اور آہنگ پر ، اوزان ، تشبیہ اور استعارے پر سنسکرتی و ہندوئی اَسطُور و روایت کا رنگ گہرا ہے ۔ فارسی و عربی کے الفاظ بھی اس رنگ میں رنگ کر دبے دبے سے نظر آتے ہیں ۔ گجری ادب کا اسلوب در اصل ہندوئی روایت کی تجدید ہے اور بیجاپوری ادب و اسلوب بھی اسی روایت و مزاج کی مزید توسیع ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ فارسی طرز احساس جیسے جیسے گہرا ہوتا جاتا ہے ہندوئی رنگ اسی اعتبار سے ہلکا پڑتا جاتا ہے ۔ برخلاف اس کے گولکنڈہ کے ادبی اسلوب پر شروع ہی سے فارسی اثرات و اسالیب کا رنگ گہرا رہتا ہے اور یہ اسلوب آگے چل کر ، اپنا سفرِ ارتقا طے کرکے ، ولی کے اسلوب سے جا ملتا ہے ۔ دکنی ادب میں اسالیب کے یہی دو دھارے الگ الگ بہتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ اگر اُردو زبان کا جدید اسلوب ، جس کا بابا آدم ولی دکنی ہے ، فارسی اسلوب و آہنگ کی کوکھ سے جنم نہ لیتا بلکہ بیجاپوری اسلوب کی روایت سے پیدا ہوتا تو آج بیجاپوری شعراء کا کلام گولکنڈہ کے شعراء کے مقابلے میں ہمارے لیے زیادہ قابل فہم ہوتا ۔ لیکن چوں کہ ایسا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کیوں کہ بیجاپوری اسلوب اپنے اظہار کے لیے ہزاروں سال کی مردہ زبان سنسکرت سے الفاظ لے کر اظہار کو سہل بنانے کی کوشش کر رہا تھا اور گولکنڈہ کا اسلوب ایک زندہ زبان فارسی سے اپنے جسم میں نیا خون شامل کر رہا تھا ۔ اگر بیجاپوری اسلوب سے فارسی اثرات اور ذخیرۂ الفاظ کو خارج کر دیا جائے تو یہ اسلوب بھی مردہ ہو کر پٹ ہو جائے ۔ اس کی زندگی کا رشتہ بھی فارسی ذخیرۂ الفاظ ، لہجہ ، آہنگ اور طرز پر قائم ہے ۔ بیجاپور کا شاعر صنعتی اپنی مثنوی ''قصہ بے نظیر'' (۱۰۵۵ھ) میں اس رجحان کے خلاف آواز اُٹھاتا ہے اور اسی عمل کو اپنی مثنوی کی بنیادی خصوصیت بتاتا ہے :

رکھیا کم سنسکرت کے اس میں بول
ادک بولنے تے رکھیا ہوں امول

اسی بات کی طرف کبیر داس بھی اشارہ کرتا ہے جب وہ کہتا ہے : ع

'سنسکرت ہے کوپ جل بھاشا بہتا نیر'

اُردو زبان و ادب نے ، اپنے دور قدیم میں ، تقریباً پانچ سو سال سنسکرت سے فائدہ اُٹھایا لیکن جب تخلیقی فنکاروں نے دیکھا کہ اس کی مدد سے آگے بڑھنا مشکل ہو گیا ہے اور جدید خیالات کا اظہار دشوار ہو گیا ہے تو وہ دھیرے دھیرے

Scanned with CamScanner

فارسی کی طرف بڑھنے لگے ۔ حیرت ہے کہ وہ راستہ ، جس پر اردو زبان صدیوں چلتی رہی اور پھر جسے اس نے آج سے تقریباً چار سو سال پہلے ترک کر دیا ، آج "اہل ہندی" زندہ الفاظ کو ترک کرکے تعصب و تنگ نظری کی بیساکھیوں پر ، اسی راستے پر چل رہے ہیں اور بھول رہے ہیں کہ مردہ زبان سے ذخیرۂ الفاظ لینا خود زندہ زبان کو بھی مردہ بنا دیتا ہے ۔ بہر حال آئیے :

ع "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو"

کے مصداق آگے چلیں ۔

(۲)

نصرتی کا نام "تذکرۂ شعرائے دکن"[۱] میں محمد نصرت لکھا ہے اور یہ نام تخلص کی مناسبت سے قرینِ قیاس بھی معلوم ہوتا ہے ۔ "گلشنِ عشق" میں جہاں نصرتی نے نبی ابن عبدالصمد کی زبان سے چند اشعار کہلوائے ہیں وہاں یہ شعر بھی ملتا ہے :

دکھن میں توں ہے آج نصرت قریں بلند شعر کے فن میں سحر آفریں

اس شعر سے بھی نصرتی کا نام "محمد نصرت" ہونے کی تصدیق ہوتی ہے ۔ گارساں دتاسی نے "گلشنِ عشق" کے ایک قلمی نسخے کی سند پر اسے برہمن بتایا ہے لیکن اس کی تصانیف میں اس سلسلے میں کہیں کوئی اشارہ نہیں ملتا ۔ خود نصرتی نے "گلشنِ عشق" میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اس بات کی تردید کرتی ہیں ۔ مولوی عبدالحق نے ذاتی طور پر اس کے خاندان کے حالات کی جو تحقیق کی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ مسلمان تھا[۲] ۔ مثلاً گیسودراز کی مدح میں یہ شعر اسی بات کی تصدیق کرتا ہے :

بحمد اللہ کرسی یہ کرسی مری چلی آئی ہے بندگی میں تری

"گلشنِ عشق" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نصرتی کے آبا و اجداد پیشہ ور سپاہی تھے :

کہ میں اصل میں ایک سپاہی اتھا فدا درگہ بادشاہی اتھا
کہ تھا مجھ پدر سر شجاعت مآب قدیم یک سلحدار جمع رکاب

۱۔ تذکرۂ شعرائے دکن ، از عبدالجبار ملکا پوری ، ص ۱۰۹ ، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۔

۲۔ گلشنِ عشق ، مرتبہ عبدالحق ، ص ۲ ۔

وہ اس خاندان کا پہلا شخص ہے جس نے پیشۂ سپاہ گری کو چھوڑ کر شاعری کو اختیار کیا ۔ باپ نے نصرتی کی تعلیم کا بہترین انتظام کیا اور علومِ متداولہ و مروجہ کی تعلیم بہترین اساتذہ سے دلوائی :

معلم جو میرے جتے خاص تھے　　دھرن ہار وو مجھ سوں اخلاص تھے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علی عادل شاہ ثانی شاہی بچپن سے اس کو پسند کرتا تھا :

میرا شہ جو بوجک رہے جوہری　　وہ شہزادگی میں اتھا مُشتری

اور جب وہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے نصرتی کو بلا بھیجا ۔ اس بات کو نصرتی نے ان اشعار میں بیان کیا ہے :

بلا بھیج بندے کو اس حال میں　　نظر کر مرے بے بہا مال میں
پرکھتا چلیا یو رتن سربسر　　تھکے دیکھ پا رکھ یو اہلِ نظر
وہیں جگ میں بندہ رہنے بے نیاز　　رکھیا اپنی خدمت میں کر سرفراز

بیجاپور میں نصرتی کی قبر نگینہ باغ میں آج بھی موجود ہے ۔[۱]

''تذکرۂ شعرائے دکن'' میں عبدالجبار ملکاپوری[۲] نے نصرتی کا سالِ وفات ۱۰۹۵ھ لکھا ہے ۔ ''اُردو مخطوطات ، کتب خانہ سالار جنگ''[۳] میں نصیر الدین ہاشمی مرحوم نے یہ قطعۂ تاریخِ وفات دیا ہے :

ضرب شمشیر سوں یو دنیا چھوڑ　　جا کے جنت میں خوش ہو رہے ؟
سالِ تاریخ آ ملایک نے　　یوں کہی ''نصرتی شہید اہے''

''نصرتی شہید اہے'' سے ۱۰۸۵ھ برآمد ہوتا ہے ۔ ''اُردو شہ پارے''[۴] میں پروفیسر محی الدین زور نے سالِ وفات ۱۰۸۱ھ دیا ہے جو اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ''تاریخ اسکندری'' کا سالِ تصنیف ، جو اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے :

سہس بور اسی پر جو تھے تین سال　　کرے یک میں بر سب زمانے نے حال

۱۰۸۳ھ ہے اور ظاہر ہے کہ ''تاریخِ اسکندری'' لکھتے وقت نصرتی یقیناً زندہ

۱۔ نصرتی ، مصنفہ مولوی عبدالحق ، ص ۱۵ ، اشاعتِ ثانی ۱۹۶۱ع ، انجمن ترقیِ اُردو پاکستان ، کراچی ۔
۲۔ تذکرۂ شعرائے دکن ، ص ۱۰۹ ۔
۳۔ اُردو مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ ، ص ۶۰ ، مرتبہ نصیر الدین ہاشمی مرحوم ۔
۴۔ اُردو شہ پارے ، ص ۶۰ ۔

Scanned with CamScanner

تھے ۔ اس لیے نصرتی کا سالِ وفات ۱۰۸۵ھ صحیح معلوم ہوتا ہے ۔

اس قطعۂ تاریخِ وفات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ نصرتی طبعی موت نہیں مرے بلکہ حاسدوں نے انھیں قتل کرا دیا ۔ غالباً یہ حاسد وہ لوگ ہوں گے جن کی شہرت کا چراغ نصرتی کے سامنے نہ جل سکا ۔ نصرتی نے اپنے دور کے شعرا کی ایک ہجو بھی لکھی تھی جس سے اس بات کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ اکثر شعرا اس سے حسد کرتے تھے ۔ اس کی ایک غزل کے ایک شعر میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کسی منجّم نے بتایا تھا کہ اس کی جان کو خطرہ ہے ۔ وہ شعر یہ ہے :

کہتے ہیں مجھ منجم اب تجھ خطر ہے جیئو کا
اس راس پر پڑیا ہے یک اخترِ جلالی

ایک رباعی میں وہ یارانِ دکن کی بے وفائی کا دکھڑا بھی سناتا ہے :

یارانِ دکن کس سوں وفائی نہ کریں ہوئیں تو بلند بخت بھلائی نہ کریں
خوبی سوں تو میں ان کی کیا قطع نظر اُپکار ہے گر پھر کو برائی نہ کریں

ہجو کے ایک شعر میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ دکھن کے شاعروں کی روش پر شعر نہیں کہتا :

دکھن کے شاعراں کی میں روش پر شعر بولیا نئیں
ہوا کیا سب گزر گئے یو دیکھو حاضر وو دفتر ہے

رباعی اور اس شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خاندان دکھن میں آ کر آباد ہوا تھا اور وہاں کے لوگ اس خاندان کو اب بھی باہر کا خاندان سمجھتے تھے ۔ وہ خود بھی اپنے کلام کو ''دکھن کے شاعراں کی روش'' سے الگ کہتا ہے ۔ رباعی اور شعر کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود کو اہلِ دکھن سے الگ کر رہا ہے ۔

نصرتی کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاضی سید کریم اللہ ، شاہ ابوالمعالی اور شاہ نور اللہ وغیرہ اس کے دوست تھے ۔ ''ہجو سخن ور'' میں نصرتی نے شعوری بیجاپوری کے ایک شعر کی تعریف کی ہے اور اس کا حوالہ بھی دیا ہے :

مثال یک شعر میں اپنے شعوری خوب بولیا ہے
کہ جس کی ات ہنرمندی مرے کن نت مقرر ہے
حسد کے دردمنداں تیں ہٹانا مکھ کوں کیسے ہو
لگے جیوں زہر امرت سا سخن گر روح پرور ہے

Scanned with CamScanner

(۳)

مُلا نصرتی (م ۱۰۸۵ھ) سے تین تصانیف یادگار ہیں۔ ایک ''گلشنِ عشق'' (۱۰۶۸ھ) ، دوسری ''علی نامہ'' (۱۰۷۶ھ) اور تیسری ''دیوان نصرتی'' جس میں تاریخ اسکندری یعنی فتح نامۂ بہلول خاں (۱۰۸۳ھ) شامل ہے۔

''گلشنِ عشق'' نصرتی کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو علی عادل شاہ شاہی کے دور میں لکھی گئی۔ اس میں نصرتی نے منوہر و مدمالتی کی داستانِ عشق کو موضوع سخن بنایا ہے۔ یہ داستان ایک عرصے سے دکن میں مقبول تھی۔ شیخ منجھن نامی ایک شخص نے اسے ہندی میں بھی لکھا تھا جو اب نایاب ہے لیکن جس کا حوالہ فارسی کی ایک کتاب ''قصہ کنور منوہر و مدمالت''[۱] ۱۰۵۹ھ میں آیا ہے۔ ۱۰۶۵ھ میں اسی قصے کو عاقل خاں رازی عالمگیری نے اپنی مثنوی ''مہر و ماہ''[۲] کا موضوع بنایا۔ نصرتی نے اس میں اتنا اضافہ کیا کہ اس قصے کے مرکزی کرداروں کے ساتھ چنپاوتی اور چندرسین کی داستانِ عشق کو سلیقے سے شامل کر کے دو آتشہ بنا دیا۔ نصرتی نے گلشنِ عشق میں اپنے ماخذ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ سوائے گولکنڈہ کے ملک الشعرا غواصی کی مثنوی ''سیف الملوک بدیع الجمال'' کے نصرتی نے بیجاپور میں لکھی جانے والی کسی مثنوی کا ذکر نہیں کیا۔ حالاں کہ گلشنِ عشق سے پہلے مقیمی کی ''چندربدن و مہیار'' ، جو ۱۰۳۵ھ اور ۱۰۵۰ھ کے درمیانی حصے میں لکھی گئی ، صنعتی کی قصۂ بے نظیر (۱۰۵۵ھ) ، عاجز کی یوسف زلیخا (۱۰۴۴ھ) ، لیلیٰ مجنوں (۱۰۴۶ھ) ، امین و دولت شاہ کی بہرام و حسن بانو (۱۰۵۰ھ) ، ملک خشنود کی جنت شنگار (۱۰۵۰ھ) اور رستمی کا خاور نامہ (۱۰۵۰ھ) لکھی جا چکی تھیں۔

''گلشنِ عشق'' میں قصے کا مزاج وہی ہے جو ازمنۂ وسطیٰ کی سب داستانوں میں ملتا ہے۔ یہاں بھی اس دور کی دوسری داستانوں کی طرح بادشاہ ، شہزادے اور شہزادیوں کی داستانِ عشق بیان کی گئی ہے۔ قصہ بہت دلچسپ اور حیرت انگیز ہے۔ یہاں طلسم بھی ہے اور دیو پریاں بھی ، صحرائے آتشیں بھی ہے اور جنگ و جدال بھی ، مہمات و مشکلات بھی ہیں اور فتح و نصرت بھی ، عشق

۱۔ فہرست مخطوطات فارسی برٹش میوزیم ، جلد دوم ، ص ۸۰۳۔
۲۔ نصرتی از مولوی عبدالحق ، ص ۱۹ - ۲۰۔

Scanned with CamScanner

میں دیوانگی کی شدت بھی ہے اور آزروے وصل کی شعلہ سامانی بھی - یہ داستان بھی ، اس دور کی سب داستانوں کی طرح بیانِ وصل پر ختم ہوتی ہے - یہ معاشرہ مابوسی کو کفر جانتا تھا اور اس بات پر عقیدہ رکھتا تھا کہ ہر مشکل کے بعد راحت اور ہر تکلیف کے بعد آرام ہے - فراق کے جہنم سے گزر کر ہی وصل کی جنت میسر آ سکتی ہے - اسی لیے اس تہذیب میں ناکامیوں کو کامیابیوں سے بدلنے اور ناممکن مہمات کو ممکن بنانے کا حوصلہ ملتا ہے - نصرتی نے جم کر تفصیل و جزئیات کے ساتھ اس داستانِ عشق کو بیان کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ یہ مثنوی بھی زبان و بیان اور فن کے اعتبار سے اسی معیار کی ہو جس معیار کی مثنویاں فارسی زبان میں ملتی ہیں - اسی رجحان کے پیش نظر اس نے دکنی زبان کو فارسی معیار پر لانے کی کوشش کی - اس تخلیقی عمل میں اس نے دکنی زبان کی خصوصیات کو فارسی زبان کی خصوصیات سے ملا کر ایک نیا فنی معیار قائم کیا اور فخر کے ساتھ کہا :

دکن کا کیا شعر جیوں فارسی

اس تخلیقی عمل کو نصرتی نے ''شعر تازہ'' کا نام دیا :

دگر شعر ہندی کے بعضے ہنر نہ سکتے ہیں لیا فارسی میں سنور
میں اس دو ہنر کے خلاصے کوں پا کیا شعر تازہ دونو فن ملا

نصرتی کے طرز کی یہی انفرادیت ہے کہ اس نے ہندی و فارسی دونوں کے ہنر کو ملا کر ایک نئی تخلیقی صورت بنائی - اس عمل نے بیجاپوری اسلوب کو نئی توانائی اور قوت اظہار بخشی -

بیجاپور کی مثنویوں کی ایک مشترک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سارا زور قصے پر ہوتا ہے جسے تیزی سے بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے - لیکن نصرتی نے فارسی روایت کی پیروی میں جزئیات نگاری اور فضا پر بھی زور دیا ہے اور اسی فضا میں وہ قصے کو آگے بڑھاتا ہے - گولکنڈہ کی مثنویوں میں جزئیات نگاری اور فضا پر شروع ہی سے زور ہے - وجہی کی ''قطب مشتری'' اور احمد کی ''یوسف زلیخا'' میں بھی یہی خصوصیت ملتی ہے - اس اعتبار سے ''گلشن عشق'' بیجاپور کی پہلی مثنوی ہے جو گولکنڈہ کے اسلوب اور مزاج سے قریب تر ہے - باغات ، محلات ، جنگلوں ، صحراؤں ، سردی گرمی ، چاندنی ، تمازتِ آفتاب ، طلوع و غروب ، برف باری ، شادی ، آرائش ، رسومات اور فراق و وصال وغیرہ کی بھرپور اور خوبصورت تصویریں ملتی ہیں جن سے قصے کی فضا میں اثر انگیزی دو چند ہو جاتی ہے - نصرتی میں بڑے کینوس پر ساری جزئیات کے ساتھ بھرپور

Scanned with CamScanner

تصویر بنانے کی کمال صلاحیت ہے ۔

نصرتی نے ''گلشنِ عشق'' بنی عبدالصمد کی تحریک پر لکھی تھی اور ''علی نامہ'' قاضی کریم اللہ اور شاہ نور اللہ کی فرمائش پر لکھا ۔ یہ دونوں علی عادل شاہ کے دور کی وہ شخصیتیں تھیں جن کے تبحّر علمی کی دھوم سارے بیجاپور میں مچی ہوئی تھی ۔ ''گلشنِ عشق'' میں نصرتی نے عشق و بزم کے رنگ اُبھارے تھے ۔ ''علی نامہ'' میں رزم و مہمات کے نقشے پیش کیے ہیں جس کی طرف ''علی نامہ'' کے آخر میں خود اُس نے اشارہ کیا ہے :

دیکھو بات منج عشق میں بے جواب — کہ ہے گلشنِ عشق حاضر کتاب
جو ہوتے ہیں معشوق و عاشق میں کام — کیا ہوں او سب نازکیاں سوں تمام
دیکھیں رزمیہ گر کہنے کا ہنر — بریں شعر پو ہے سخن مختصر
سنواریا یک یک بزم کی انجمن — کھلایا ہوں خوش رزم کے پھولین
کتا ہوں سخن مختصر بے گمان — کہ یو شاہ نامہ دکھن کا ہے جان

علی عادل شاہ ثانی شاہی ۱۰۶۷ھ میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور اس کے ابتدائی دس سال مختلف جنگوں اور مہمات میں گزرے ۔ ۱۰۷۶ھ کے آخر تک یہ سب مہمات کم و بیش ختم ہو جاتی ہیں اور بادشاہ سارا وقت عیش و عشرت میں گزارنے لگتا ہے ۔ ''علی نامہ'' علی عادل شاہ کے ابتدائی دس برسوں کے دورِ حکومت کی منظوم تاریخ ہے ۔ نصرتی نے ''علی نامہ'' میں ان تمام جنگوں ، فتوحات ، سیاسی واقعات اور معرکوں کو تفصیل سے پیش کیا ہے ۔ اس میں ایک طرف اس دور کی حقیقی جیتی جاگتی تصویر سامنے آ جاتی ہے اور دوسری طرف یہ ایک رزمیہ مثنوی کی شکل اختیار کر لیتی ہے ۔ فردوسی نے شاہ نامہ میں پورے ایران کی صدیوں پرانی تہذیب کو موضوع سخن بنایا تھا ۔ نصرتی نے ایک دکنی سلطنت کے صرف دس سالہ دور کو اپنا موضوع بنایا ہے ۔

''علی نامہ'' ایک طویل رزمیہ مثنوی ہے ۔ اس کی ہیئت وہی ہے جو ''گلشنِ عشق'' یا دکن کی دوسری بڑی مثنویوں میں ملتی ہے ۔ اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ''گلشنِ عشق'' کی طرح ہر حصے کے شروع میں بطور عنوان ایک یا دو شعر دیے گئے ہیں ۔ عنوانات کے یہ شعر ایک ہی بحر اور ایک ہی زمین میں لکھے گئے ہیں ۔ ان سے ایک طرف نفسِ مضمون کی طرف اشارہ ملتا ہے اور دوسری طرف اگر ان سب کو یک جا کر دیا جائے تو ایک مکمل رزمیہ قصیدہ بن جاتا ہے ۔ فتح کے موقع پر جو بادشاہ کی مدح لکھی گئی ہے اُسے قصیدے کا نام دیا ہے اور باقی ہر واقعہ ، ہر مہم اور معرکے کو مثنوی کا نام دیا

Scanned with CamScanner

ہے ۔ مہمات اور جنگوں کے نقشے، فوجوں کے مقابلے، لشکر آرائی، میدانِ جنگ، فوجوں کا کوچ، جنگ کی تیاری اور فتح و شکست کے واقعات کو شاعرانہ انداز میں تاریخی صحت کے ساتھ بیان کیا ہے ۔ ''علی نامہ'' لکھتے وقت نصرتی کے سامنے ''شاہنامۂ فردوسی'' کی روایت تھی اور اس روایت نے ''علی نامہ'' کو وہ انفرادیت بخشی کہ آج تک اردو شاعری میں یہ اپنی شاعرانہ عظمت کی وجہ سے بے مثال ہے ۔ رزمیہ اس مسلسل نظم کو کہا جاتا ہے جس میں کسی ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص کے کارناموں کو اُجاگر کیا جائے ۔ رزمیہ میں اس دور کی تہذیب، اس کی معاشرت اور کلچر واقعات کا حصہ بن کر آتے ہیں۔ اس طرح رزمیہ نظم صرف واقعات کا بیان ہی نہیں رہتی بلکہ اُس تہذیب کی تاریخ بھی بن جاتی ہے ۔ رزمیہ نظم میں واقعات وضاحت و تفصیل کے ساتھ پُروقار اور پُرشکوہ انداز میں بیان کیے جاتے ہیں جس میں زورِ بیان سے ایسا لہجہ اور ایسی روانی پیدا کی جاتی ہے کہ اُسے تیزی اور پرجوش روانی کے ساتھ پڑھا جا سکے ۔ موقع و محل کے مطابق لہجے اور اسالیب بدلتے جاتے ہیں لیکن زورِ بیان اسی طرح باقی رہتا ہے ۔ ان سب واقعات کا جال کسی ایک تاریخی یا مرکزی کردار کے اردگرد بُنا جاتا ہے ۔ کارناموں کی عظمت سے نظم کی عظمت اور شاعری کی عظمت سے کارناموں کی عظمت بروئے کار آتی ہے ۔ ''علی نامہ'' اس اعتبار سے دکنی زبان کا شاہنامہ اور اُردو زبان کی پہلی اور واحد رزمیہ نظم ہے ۔ عبدل کے ''ابراہیم نامہ'' میں بادشاہ (جگت گرو) کی بزم کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ خاور نامۂ رسمتی میں حضرت علیؓ مرکزی کردار کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں لیکن ان کے سارے کارنامے خیالی ہیں ۔ ''علی نامہ'' نہ صرف صحیح تاریخی واقعات پر مبنی ہے بلکہ نصرتی کا ممدوح علی عادل شاہ ایک زندہ و حقیقی شخصیت بھی ہے ۔ ''علی نامہ'' سے مغلوں کی ان جنگی غلطیوں اور شکستوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے جن کا ذکر شمالی ہند کی کسی تاریخ میں نہیں ملتا ۔

''علی نامہ'' پڑھتے وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعری کا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے ۔ خشک تاریخی واقعات کو جس شاعرانہ حسن بیان کے ساتھ نصرتی نے لکھا ہے، یہ ایک ایسا کمالِ فن ہے جس تک کوئی دوسرا شاعر نہیں پہنچتا ۔ نصرتی کا قلم ایسی روانی اور چابک دستی سے خیال و جذبہ کو اظہار کے سانچے میں ڈھالتا ہے، اس کا تخیل فضا اور موضوع کو اس طور پر باندھتا ہے کہ میدانِ جنگ کے نقشے، فوجوں کی معرکہ آرائی، قلعوں کے محاصرے، تلواروں کی پُرش، نیزوں کی یورش، گھوڑوں کی چستی، فوجوں کا دبدبہ اور ساری کیفیات و مناظر کی جیتی جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے ۔

''علی نامہ'' میں نصرتی نے تاثر کا صور پھونک کر تاریخی واقعات میں شاعرانہ اثر آفرینی پیدا کر دی ہے اور یہی تخلیقی عمل اس کی حقیقی عظمت کا اظہار ہے۔

''تاریخ اسکندری''، جو ''دیوانِ نصرتی'' میں شامل ہے اور نصرتی کے باقی کلام کی طرح پہلی بار شائع ہو رہی ہے، نصرتی کے آخری دور کی تصنیف ہے جو اس نے مرنے سے تقریباً دو سال پہلے لکھی۔ مثنوی کی ابتدا میں اس نے اس کے نام اور سالِ تصنیف دونوں کو بیان کر دیا ہے:

کہن ہاریو تاریخِ اسکندری لگے جس کی گفتار یوں سرسری
سہس بور اسی پر جو تھے تین سال کرے یک میں ہر سب زمانے نے حال

علی عادل شاہ ثانی شاہی ۱۰۸۳ھ میں وفات پا گیا اور اس کے بعد جب اس کا پانچ سالہ بیٹا سکندر عادل شاہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوا تو ایک بار پھر سر زمینِ دکن پر بھونچال آ گیا۔ اُمرا نے اقتدار کے لیے سازشیں شروع کر دیں۔ اُدھر سیوا جی نے قلعۂ پنالہ پر قبضہ کر لیا اور چاروں طرف یورش کرنے لگا۔ خواص خاں نے سیوا جی کے مقابلے کے لیے بہلول خاں کو بھیجا۔ دو روز سخت مقابلہ رہا۔ بہلول خاں نے ایسی پامردی اور ہمت و استقلال سے سیوا جی کا مقابلہ کیا کہ اس کا لشکر منتشر ہو گیا اور دوسرے دن بہلول خاں (م ۱۰۸۸ھ) نے نیا حملہ کر کے اُسے شکست دے دی[1]۔ نئے بادشاہ کو تخت نشین ہوئے چند ماہ گزرے تھے۔ یہ اُس کے دورِ سلطنت کی پہلی فتح تھی۔ بادشاہ کی تخت نشینی کو نیک شگون سمجھا گیا اور سارے بیجاپور میں فتح کا جشن منایا گیا۔ نصرتی نے اسی دو روزہ جنگ کو اپنی مثنوی کا موضوع بنایا ہے۔

مولوی عبدالحق مرحوم نے ''گلشنِ عشق'' اور ''علی نامہ'' سے اس کا مقابلہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''یہاں نصرتی کے کلام میں وہ زور اور شگفتگی نہیں ہے جو اول الذکر دونوں مثنویوں میں ملتا ہے[2]''۔ لیکن وہ بات جو مولوی عبدالحق نے نظر انداز کر دی، یہ ہے کہ ''تاریخ اسکندری'' کا مقابلہ ''علی نامہ'' سے اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ ''علی نامہ'' علی عادل شاہ کے ہنگامہ پرور دس سالہ دور کی بڑی مہمات کی تاریخ ہے اور ''تاریخ اسکندری'' صرف دو روزہ جنگ کی داستان ہے جس میں سیوا جی سے قلعۂ پنالہ واپس لیا گیا ہے۔ اس کا مقابلہ پورے ''علی نامہ'' سے کرنے کے بجائے اگر کسی ایک جنگ کے بیان سے کیا جائے تو

۱- واقعاتِ مملکت بیجا پور، جلد اول، ص ۳۱۸۔
۲- نصرتی، از عبدالحق، ص ۲۲۰۔

Scanned with CamScanner

معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہی زور بیان ، وہی شگفتگی اور وہی شاعرانہ قوت موجود ہے جو نصرتی کے کلام کا طُرۂ امتیاز ہے ۔ ''تاریخ اسکندری'' کو اگر ''علی نامہ'' میں ملا دیا جائے تو اس میں کوئی ایسا فرق محسوس نہیں ہوتا کہ اُسے کسی طرح بھی کمزور کہا جا سکے ۔ نصرتی کی شخصیت یہاں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ''علی نامہ'' اور ''گلشنِ عشق'' میں ۔ یہاں بھی مثنوی کی وہی ہیئت ہے جو کم و بیش ''علی نامہ'' میں ملتی ہے ۔ مثنوی کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اُسے فنی لحاظ سے ان تمام مراحل سے گزارا ہے جن سے اس نوع کی مثنویاں گزرتی ہیں ۔ تیاری ، فوجوں کا کوچ ، آپس کے صلاح مشورے ، معرکہ آرائی ، لشکر کشی ، میدانِ جنگ سب کا بیان آیا ہے ۔ ساتویں حصے میں گھمسان کی جنگ اور بھلول خاں کی فتح کا حال بیان کیا ہے ۔ اسی رنگ سخن کو ''علی نامہ'' کی کسی جنگ کے حال سے ملا دیا جائے تو اس میں وہ ساری خصوصیات نظر آئیں گی جو نصرتی کی شاعری میں عام طور پر ملتی ہیں ۔ میدانِ جنگ میں سخت رن پڑ رہا ہے ، نصرتی تخیل کی آنکھ سے اُسے یوں بیان کرتا ہے :

پھوٹے کرّہ ناياں تے دشمن کے گوش
کیا مغز بھیجا ہو جا کے تے ہوش

نقاریاں تے میداں ہدر نے لگیا
کھڑا تھا سو جل رقص کرنے لگیا

جو نواب کر رُخ مخالف کے دھیر
برسنے لگیا صف سوں یک مشت تیر

دئے چھوڑ سو مُرغِ تیراں شتاب
پئے بیٹھ اُنن سر کے کانساں میں آب

خدنگاں کو بھالیاں پہ کاریوں کرے
نہ پوچھو کہ مگرے ہیں پھانٹے بھرے

وسے تیر جب تیر بیٹھے پہ تول
لگے نھانسنے جیوں لگے ہر وو کھول

جمی فوج یک پل میں ہوئی پھوٹ پھاٹ
یکیک نھانسنے کوں دسے لاکھ باٹ

کہے توں کہ کڈی پہ ہاتی چھوٹا
بھریا تھا ہنگامہ سو یک دم پھوٹا

Scanned with CamScanner

نظر رن کے مُردیاں کوں دیکھت تھکی
کہے توں کہ پردا ہے کرنا ٹکی

ہوا کیچ یوں بھر کہ لھو ٹھاؤں ٹھاؤں
پھسلنے لگے بھویں پہ تیراں کے پاؤں

کئے حکم سب پر کہ اب بس کرو
چکاٹیاں پہ ظاہر نکو کس کرو

بھلے مرد کا مرد پروار ہے
نگوڑیاں کو چپ دیکھنا عار ہے

کدھیں پھر کہ مُردے پکڑ آئیں گے
کریں گے سو اپنا سزا پائیں گے

یہی بات کر شکر حق لیا بجا
کھڑا رن پہ رہ شادیانے بجا

موقع و محل کے مطابق یہ زورِ بیان پوری مثنوی میں ملتا ہے - یہاں بھی ''علی نامہ'' و ''گلشن عشق'' کی طرح نصرتی کی پُرگوئی اور قادرالکلامی کا احساس ہوتا ہے - لیکن ''علی نامہ'' کے مقابلے میں ''تاریخ اسکندری'' میں ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ یہاں زبان بدل رہی ہے اور اس میں فارسی اسلوب کا رنگ و آہنگ مقابلۃً گہرا ہو گیا ہے -

لطف کی شیرینی ، تخیل کی پرواز اور چند لفظوں میں معنی کا دفتر بیان کر دینا نصرتی کی شاعری کی وہ خصوصیات ہیں جو ہمیں اس طور پر بہت کم شعراء کے ہاں نظر آتی ہیں - قصیدوں میں اس تخلیقی عمل نے ایک ایسا رنگ جمایا ہے کہ نصرتی اُردو کا پہلا بڑا قصیدہ نگار بن کر سامنے آتا ہے - ''علی نامہ'' میں نصرتی کے سات قصیدے ملتے ہیں - ''گلشنِ عشق'' اور ''علی نامہ'' کے عنوانات مل کر دو اور قصیدے بن جاتے ہیں - اگر ہجو سخنور ، مدح علی عادل شاہ ، قصیدہ گھوڑا مانگنے کی درخواست پر اور قصیدۂ چرخیہ کو اور شامل کر لیا جائے تو اس طرح نصرتی کے کل قصائد کی تعداد تیرہ ہو جاتی ہے اور یہ اتنی بڑی تعداد اور ان کا معیار اتنا بلند ہے کہ اردو کے بلند پایہ قصیدہ نگاروں میں نصرتی کا شمار کیا جانا چاہیے - ''علی نامہ'' کے قصیدے ہر اعتبار سے بلند پایہ ہیں - قصیدۂ فتح ملناڑ جو ''علی نامہ'' کا آخری قصیدہ ہے اور دو سو بیس اشعار پر مشتمل ہے ، بیان کی رچاوٹ ، شوکت و شکوہ ، ترتیب اور قوتِ بیان کے باعث نصرتی کا شاہکار ہے - اس قصیدے میں نصرتی نے مختصر الفاظ میں معنی کا دفتر بھر دیا ہے - اس طرح

Scanned with CamScanner

نصرتی کا "قصیدۂ چرخیہ" جو دیوانِ نصرتی میں شامل ہے ، اپنے اندازِ بیان ، تخیل و معنی آفرینی ، موسیقانہ آہنگ اور روانی کی وجہ سے ایک اور شاہکار قصیدہ ہے ۔ اس قصیدۂ چرخیہ میں الفاظ اور اصطلاحات چرخ سے متعلق لائے گئے ہیں اور نفسِ مضمون انھی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے ۔ بحیثت مجموعی اُردو قصائد کے ذکر میں جہاں ہم سودا اور ذوق کا اب تک نام لیتے آئے ہیں ، وہاں ہمیں دور قدیم اور قبلِ ولی کے مولانا نصرتی کا نام اُن کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ان دونوں سے پہلے لینا چاہیے ۔

جہاں تک نصرتی کی غزل کا تعلق ہے ، دکنی غزل کی روایت کے عین مطابق ان کی غزلوں کا موضوع بھی عورت ہے ۔ نصرتی نے اپنی غزلوں میں اُن عام عاشقانہ جذبات کا اظہار کیا ہے جو عام طور پر عشق میں پیش آتے ہیں اور مولانا حسرت موہانی کی اصطلاح میں نصرتی کا تصورِ عشق فاسقانہ ہے ۔ نصرتی کی غزل میں ایک خصوصیت ، جو شاہی کی غزلوں میں کہیں نظر نہیں آتی ، جسم کو چھونے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی حسرت ہے ۔ اس کی غزلوں میں ندیدے پن اور عورت کو دیکھ کر رال ٹپکنے کا احساس ہوتا ہے ۔ نصرتی کی غزلوں کا تصورِ عشق عورت کے جسم سے پیاس بُجھانے تک محدود ہے ۔ رات اس لیے عزیز ہے کہ وہ وصل ساتھ لاتی ہے ۔ جب رات ہو ، محبوب ساتھ ہو اور بوسہ نئی زندگی بخش رہا ہو تو پھر سُدھ بُدھ کہاں رہتی ہے ۔ یہی نصرتی کی غزل کا موضوع اور مزاج ہے ۔ اس کی غزل میں رنگ رلیاں منانے کا احساس ہوتا ہے ۔ اس مزاج میں شاہی کی پسند کا بھی دخل ہے جس نے اسی قسم کے اشعار پر داد دی اور شاعری کو شراب کی طرح نازنینوں کے ساتھ دادِ عشق دینے کے لیے استعمال کیا ۔ نصرتی نے شاہی کی فرمائش پر اسی قسم کی غزلیں لکھیں اور بادشاہِ وقت سے اس ہنر کی داد لی ۔ ایک مقطع میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے :

غزل فرمائے پر شاہی کہیا اے نصرتی جئوں توں
جگت گُرہن پسند کرنے کوں کر کوشش اپس سوں

نصرتی کی غزلوں میں اس لیے تخیل ، جذبہ اور معنی آفرینی کا وہ تخلیقی عمل ، جو اس کی طویل نظموں کی خصوصیت ہے ، نہیں ملتا کہ اُسے شاہی کی پسند نے محدود کر دیا ہے ۔ محفل میں ایسے راگ الاپنے سے کیا حاصل جس کا اثر سننے والے پر نہ ہو ۔ شاہی کے شب ناچے میں اسی قسم کی غزلیں درج کی جا سکتی تھیں جس میں جسم کی پکار موجود ہو ۔

نصرتی کی رباعیوں میں سے کچھ حمد و نعت میں ہیں اور کچھ ناصحانہ و عاشقانہ

Scanned with CamScanner

ہیں ۔ ان رباعیوں کی زبان غزلوں کی زبان کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے اور اُس جدید اسلوب سے قریب تر ہے جو آیندہ دور میں ولی کی شاعری میں اُبھرتا ہے ۔ اپنے دو مخمسوں میں سے ایک میں محبوب کے حسن کی دلربائی کی تعریف کی ہے جس نے اُس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا ہے ۔ اس لیے پہلے بند میں اس کا لہجہ دہائی کا لہجہ ہے اور ٹیپ کا مصرع ''فریاد ہے اے شاہ ، دلا داد ہمارا'' اسی تڑپ کا اظہار کرتا ہے ۔ ہجر کی آگ میں عاشق جل رہا ہے اور وصل کا طالب ہے ۔ اس مخمس میں عشق کے بعد اور وصل سے پہلے کی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے ۔ دوسرا مخمس شاہی کی غزل کی تضمین ہے جس میں ''عشق کے کھیل'' کو موضوعِ سخن بنایا ہے ۔ اس میں عشق کی آنکھ مچولی ویسے ہی کھیلی جا رہی ہے جیسے بلّی پہلے اپنے شکار سے کھیلتی ہے ۔

بحیثیت شاعر نصرتی قدیم اُردو کے عظیم ترین شاعروں میں سے ایک ہے جس نے بزمیہ اور رزمیہ دونوں قسم کی طویل مثنویاں لکھ کر اپنی شاعرانہ عظمت کا لوہا منوایا ہے ۔ قصیدے میں اس کا نام سودا اور ذوق کے ساتھ لیا جانا چاہیے ۔ وہ ایک باشعور فنکار ہے جسے یہ معلوم ہے کہ وہ کیا تخلیق کر رہا ہے اور اس کی ہیئت و نوعیت کیا ہونی چاہیے ۔ یہاں یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے کہ جب فنی اور شاعرانہ اعتبار سے وہ اتنا عظیم شاعر ہے تو آخر اب تک اُردو ادب کی تاریخ میں نصرتی کو وہ مقام کیوں حاصل نہ ہو سکا جو اس کے بعد کے شعرا میں ولی دکنی کو میسر آیا ؟ — اس کی وجہ نصرتی کی شاعری نہیں بلکہ اظہار و بیان کی وہ روایت ہے جس میں نصرتی نے اپنے کمالِ شاعری کو پیش کیا اور جو مغلوں کی فتحِ دکن کے بعد ادب کے معیاری اسلوب کی حیثیت سے متروک ہوگئی ۔ نصرتی کی زبان معیاری دکنی تھی جس کے اظہار بیان کا ایک نیا معیار ''شعر تازہ'' کے نام سے خود نصرتی نے قائم کیا تھا — ع : دکن کا کیا شعر جوں فارسی ۔ اگر دکن کی یہ سلطنتیں باقی رہتیں اور دکنی اُردو کا یہ روپ قائم رہتا تو آج بھی نصرتی قدیم اُردو کا سب سے بڑا شاعر قرار پاتا ۔ لیکن ہوا یہ کہ مغلوں کی فتح کے بعد شمالی ہند کی زبان دکنی ادب کی روایت پر غالب آ گئی اور تیزی سے سارے برعظیم میں ادبی اظہار کا واحد معیار بن گئی ۔ یہ تہذیبی و لسانی تبدیلیوں کی ستم ظریفی ہے جو تاریخ کے موڑ پر اکثر اس طرح اچانک آتی ہیں کہ بڑے درخت گر جاتے ہیں اور پھر یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے درخت بڑے نظر آنے لگتے ہیں ۔ تاریخ کی اسی ستم ظریفی نے نصرتی کو چھوٹا اور ولی کو بڑا بنا دیا ۔ لچھمی نرائن شفیق نے نصرتی کے ذکر میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''اشعارِ او اکثر مضامین

تازہ دارد و معانی بیگانہ را بالفاظ آشنا می‌سازد''[۱] لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ''الفاظش بطور دکھنیاں بر زبانہا گراں می آید۔''[۲] انھی تہذیبی و لسانی تبدیلیوں نے نصرتی جیسے عظیم شاعر کو ''جو بحیثیت شاعر ولی سے کہیں بلند ہے''[۳] ٹکسال باہر کرکے تاریخ کی جھولی میں پھینک دیا اور خود دکھنیوں کو اس کی زبان ''گراں'' گزرنے لگی۔ شفیق نے اپنے تذکرے میں نصرتی کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا — تہذیب کے سانچے بدلنے کے ساتھ جب اسلوب بدلتے ہیں تو عظمتیں کس طرح مٹ کر اپنی معنویت کھو دیتی ہیں، 'ملا' نصرتی تاریخ کی اسی سفاکی کی مثال ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی

☆ ☆ ☆

۱، ۲۔ چمنستان شعرا، ص ۳۲۲، مطبوعہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ۱۹۲۸ء۔
۳۔ مقدمہ' گلشنِ عشق، از عبدالحق، ص ۱۲، مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۲ء۔

Scanned with CamScanner

فرہنگ

(دیوانِ نصرتی)

آ

آتش ڈوبنا : آگ بجھنا -
آراستی : درستی -
آڑی نظر : ٹیڑھی نظر -
آسار : اسوار ، سوار -
آسیں : آئیں -
آنکو : آن کر -
آن ہارا : آنے والا -

الف

ابھال : بادل -
ابھر : پری -
ابرہن : لباس ، پیراہن -
اُپرال : اوپر -
اَپَن : اپنا -
اپنگ : لنگڑا ، معذور -
اپیں : اپنے ، آپ -
اِت : اتنا -
اِتا : اتنا -
اتھیاں : اتھی کی جمع بمعنی تھیں -
اُجلا : سفید -
اجنوں : اب بھی ، اب -
اجہوں : اب بھی -
اُچانے : اُٹھانے -
اچمبک : عجیب ، طرفہ -
اچھا : سفید -
آچھہ : رہ -
آچھتا (اچھنا مصدر) : ہوتا -
آچھے : ہو -
آدِک : زیادہ -
آدھر : ہونٹ -
ادھن سری : پریشان -
ادیکھے : نہ دیکھے ہوئے -
اُریب : ٹیڑھی -
اسوار : سوار -
آسی : آسّی (۸۰) -
اشقر : گھوڑا -
آگ : آگ -
اگن : آگ -
آگو : آگے -
اگھیٹی : انگیٹھی -
آلاہ : اللہ -

Scanned with CamScanner

الک : زلف ۔
امیٹ : انمٹ ، نہ مٹنے والا ۔
انپڑنا : پہنچنا ، حاصل ہونا ، ملنا ۔
ان پن : کھانا پینا ۔
انتر : فرق ۔
انجن : سُرمہ ۔
انجواں : آنسو ۔
آنڈڑے : انڈے ۔
آندو : چاند ۔
آندی : آندھی ۔
اُنست : اُنس ، محبت ۔
اُنست دھرنا : محبت کرنا ۔
انگڑ کر : تابع ہوکر ، محکوم ہوکر ۔
انگ : جسم ۔
انگات : تکلیف ، پریشانی ۔
انگے : آگے ، مقابلے میں ۔
اُنمان : خیال ، گمان ، اندیشہ ، ارادہ ۔
اُنن : ''اُن'' کی جمع ۔
او : وہ ۔
آو : وہ ۔
اوبریا : اُبھرا ، ظاہر ہوا ۔
اوبت کر : جوش مار کر ، اُچھل کر ۔
اوتالی : جلد باز ۔
اوتم (اُتم) : عمدہ ، اچھا ۔
اوچار : غلبہ ۔
اوچانا : اُٹھانا ، پیدا کرنا ۔
اوسکیچھ : اوس کے ہی ۔
اولٹا : اُلٹا ۔

آومس / آمس : جوش ، ترنگ ، ولولہ ، حوصلہ ۔
اونے : آن ، وہ ۔
اہے : ہے ، سندھی میں آج بھی اسی طرح 'آہے' آتا ہے ۔
ایتال : اب ۔
اِیس : اِس ۔

ب

باٹ : راستہ ۔
باٹ سارو : مسافر ۔
بارا : ہوا ۔
بارے (بارا) : ہوا ۔
باگ : شیر ۔
باول : پاگل ۔
بانچیا : بچا ، زندہ رہا ۔
باؤ : ہوا ۔
بتّر : بدتر ، خراب ۔
بجالیا : بجا لا کر ۔
بُجانا : بُجھانا ۔
بجن ہار : بجنے والا ۔
بچھ : بیچ ۔
بھک : ڈر کر ۔
بچھڑے کی رات : شبِ ہجر ۔
بچاں : بچتے ۔
بخُور : دھونی ۔
بُد : عقل ۔
بُدبل : عقل کی قوت ، زورِ عقل ۔

بدھاویں : ترق دیں ، ہمت بڑھائیں -
بڈتا : بڑھتا -
بدھائے : ترق دی -
بڈیا : بَڑھا -
برچی : برچھی -
بُرد : شطرنج کی ایک اصطلاح ، چال -
بُرد مارنا محاورہ ہے -
برغوم : باجے کی ایک قسم -
بَرن : لباس -
برہن : لباس ، پیرہن -
برہنی : فراقیہ ، فراق کی -
بڑاؤ : سبقت ، فوقیت -
بُڑبڑے : بُلبُلے -
بَڑ پسر : بڑا بیٹا -
بِسالی : بِس بھری ، زہریلی -
بسن : بسی ہوئی ، آباد -
بقالی : کنجوسی ، بنیا پن -
بکھان کر : بیان کر کے -
بگولے : بگلے ، پرندہ جو پانی میں
رہتا ہے -
بلوند : طاقتور -
بُلہوس : بوالہوس -
بَلّیاں : بَلّیاں ، بَلی کی جمع ، موٹے
بانس ، موٹی لمبی لکڑی -
بُند : بُوند -
بندو : باندھو -
بوج : بوجھ -
بَوجا : بَوجھا ، وزن -
بُوجائے : بُجھائے -
بُوجے : بُجھے -

بُوجھے : سمجھے -
بُورے : بُرے -
بُوریچہ : بُرے ہی -
بُوڑی : بھالے کی نوک -
بُوم : زمین -
بُوم : اُلّو -
بھاتا : مرضی ، خواہش -
بھار : بوجھ ، وزن -
بھار : باہر -
بھالیاں : ''بھالا'' کی جمع -
بِھتر : بھیتر ، اندر -
بِھترال : بِھیتر : اندر ، میں -
بھجن (بھنجن) : ہڑپ کرنا ، کھا جانا -
توڑ دینا -
بھجنگ / بھوجنگ : کالا ، کالا سانپ -
بھکیا / بھکیا : بِھیک -
بَھن ہار : بہنے والا -
بھو : بہت -
بَھوت : بہت -
بھوئیں : زمین -
بہیا : ہُوا -
بھیراں : بھیر کی جمع ، بِگل (باجا) -
بی : بھی -
بیراں : دُشمن -
بے سُد : دیوالہ -
بیسلائے : بٹھلائے -
بیگ : جلدی -
بِینکی : ٹیڑھی -

Scanned with CamScanner

ش

شپرک : چمگادڑ ۔
شرزہ : چیتا ۔
شلغل : سامان ۔
شلنگ : شوخ ۔
شو : شوہر ۔

ص

صُبا : صبح ۔
صبور : صابر ۔

ض

ضامن : ضمانت کرنے والا ، ضامن ۔

ع

عرابے : فصیلِ قلعہ ۔
عَلن : علانیہ ۔
عُمدیاں : عمدہ کی جمع ، عائد ، سردار ، امیر ۔

غ

غلولے : غُلّہ ، جو غلیل میں رکھ کر چلایا جاتا ہے ۔

ف

فرماؤ زین : زین فرمانا (محاورہ) ، زین کسنا ۔
فرماؤنا : فرمانا ۔
فن : مکر ، فریب ، دھوکہ ، چالاکی ۔
فند : پھندا ۔

ق

قرن : سینگ ۔
قرن : بارہ سال کی مدت ۔
قنبر : غُلام ۔

ک

کاڑ : نکال ۔
کاڑی : تینکا ، تیلی ۔
کاڑے : نکالے ۔
کاڑیاں : تیلیاں ۔
کال : موت ۔
کاں : کہاں ۔
کاساں : کاسہ کی جمع ۔
کَبَل : مشکل ۔
کبیسر : شاعر ۔
کیتیک : کتنے ہی ، کتنے ۔
کٹک : فوج ۔
کُچ : کچھ ۔
کُچ : پستان کا بالائی نوکیلا حصہ ۔
کدخدا : مالک ۔
کدھن ، کدہن : طرف ، سمت ۔
کر : بہرا ۔
کر سکیا : کر سکا ۔
کرونٹھ : کروٹ ۔
کترہ لایاں : قرنائیں ۔
کیس : کوئی ۔
کَس : طاقت ۔
کسالی : کڑوی ، کسیلی ۔
کستوری : مُشک ۔

Scanned with CamScanner

کَسن : کَسنا ۔
کِسوت : لباس ، خلعت ۔
ککر : وجہ سے ، کہہ کر ۔
کلائے : کہلائے ۔
کلول : مسرت ، لہر ۔
کُلّی : پوری ۔
کُملا چھلے : مرجھا گئے ، کملا گئے ۔
کُملا رہے : مرجھایا ہوا ، کمھلایا ہوا ۔
کنچن : سونا ۔
کَنَک : سونا ۔
کو : کب ۔
کَوالا : کہلوانا ۔
کوائے : کہلائے ۔
کواوے : کہلاوے ۔
کوبل : دشوار ، سخت ، مشکل ۔
کُوبَل : کم طاقت ، کمزور ۔
کُوتے : کُتّے ۔
کوٹ : قلعہ ۔
کدھنگ : برے ڈھنگ ۔
کو ذات : کجات ، کم ذات ، حقیر ۔
کولے : کوئلے ۔
کومک (کُمک) : امداد ۔
کَون : کون ۔
کوئے : کنویں ۔
کوئلے : کوئلے ۔
کَوے : کَوّے ۔
کھاری : کڑوا ۔
کھام : کھمبے ، ستون ۔
کھان : خوف ، کھالا ۔
کَبھت : کھیت ۔
کھتر : لڑائی ۔
کھٹے : جیتے ، حاصل کیا ۔
کھدیڑے : کھدیڑنا ، بھگانا ۔
کھڑگ : تلوار ۔
کھندا : تلوار ۔
کھُندل : کھندلنا ، روندنا ۔
کھندلاٹ : پامالی ۔
کوتے : کُتّے ۔
کوترے : کُتّے ۔
کُوئی : کنوئیاں ، چھوٹا کنواں ۔
کہن ہار : کہنے والا ۔
کھیدیڑے : بھگائے گئے ۔
کھیکڑے : کیکڑے ۔
کے : کہے ۔
کَیا : کہا ۔
کیتی : کی ، کیا ۔
کیرا : کا ۔
کیرک : کِیرکَل ، کِیرکرا ہن ، مٹی یا پتھر کے ذرات جو کھانے کی چیزوں میں آ جاتے ہیں ۔
کیس : بال ۔
کَیں : کہیں

گ

گاج باج : باجا گاجا ، دھوم دھڑکے سے ۔
گانٹ : گانٹھ ۔
گَج : ہاتھی ۔

گج بھار : ہاتھی کی طاقت ، ہاتھی کا بوجھ -
گج دلاں : ہاتھیوں کی فوج -
گدڑے : گیدڑ -
گڑ : (گڑھ) - قلعہ -
گگن : آسمان -
گنگ دھک : گندھک -
گلیاں : گل کی جمع -
گمان : غرور -
گماتا : گنواتا -
گماویں : صرف کریں ، ضائع کریں -
گمت : مسرت ، تفریح ، لطف ، مزہ ، مجلس -
گون : رفتار ، چال ، جانا -
گونڈ : جنگل -
گھال : ڈال -
گھال : بات -
گھٹ : کم -
گھردان : جوہری -
گھن : آسمان -
گھن : لوہے کا بڑا ہتھوڑا -
گھور : گندگی ، غلاظت -

ل

لاجنا : شرم کرنا -
لاجو : شرمندہ -
لاگے : لگے -
لبد : ہونٹ ، لب -
لٹ پٹانے کے : لپٹنے کے -
لر : نہر -
لڑیاج : لڑا ہی - "ج" تاکیدی "ہی" کے معنی میں آتی ہے -
لکھن : صفات ، لچھن -
لکیاں : لکھیاں -
لگ : تک -
لگالگ : متواتر ، مسلسل ، بالکل -
لگن : طشت ، ایک قسم کا برتن -
لوا : نہر -
لوچن : آنکھ -
لھوا : تلوار -
لھوالے : تلوار والے -
لھوے : لوہے -
لیساں : لیس کی جمع ، چوڑا -
لیولیں : لینے -

م

ماٹی : مٹی -
ماحی : محو کرنے والا -
مادوا : مادہ ، عورت -
مادواں : گھوڑی -
مارگ مارگ : راستہ -
مان : غرور -
مانج : مانجھ کر -
مانجھر : مچھر -
مانک : موتی -
مبرہن : ظاہر -
متی : مدہوش -
مچھیاں : مچھلیاں -
مد : شراب -
مدارا : مدارات ، تواضع -

Scanned with CamScanner

مدن : محبوب ۔
مِرگ : ہرن ۔
مِس : تانبا ۔
مُشتری : خریدار ۔
معلا : معلّٰی ۔
مُکھ (مُکھہ) : منہ ۔
منجھار : میں ، اندر ۔
مندہر / مندھر : محل ۔
مَنڈپ : خیمہ ۔
منگتے : فقیر ۔
منگل : خوشی ۔
مَنی : غرور ۔
مَنیں : میں ۔
موٹ : گٹھری ، مٹھی ۔
موٹھیاں : مُٹھیاں ۔
مُولیاں : مولی کی جمع ۔
مُوں : مُنہ ۔
مہور : مور ۔
مُہن : موہن ، محبوب ۔
میغ : بادل ۔
میہوں : بارش ، مینہ ۔

ن

ناد : طرح ، مانند ۔
ناد : آواز ، گانا ۔
ناراں : نالا ۔
نارپھل : پستان ۔
ناز نازل : نازنین ۔
ناسوس : بے احساس ۔

نال : ساتھ ۔
نائیکاں : نائک کی جمع ، سردار ۔
نِت : ہمیشہ ۔
نجھانا (نجھالنا) : غور سے دیکھنا ۔
نجھانے : دیکھنے ۔
نچھے : نہ ہو ۔
نچھل : صاف ۔
نَدم : نادم ۔
نر : مرد ۔
نرادھار : بے سہارا ۔
نَردبان : سیڑھی ۔
نِس : رات ۔
نِس پتی : رات کا مالک ، چاند ۔
نِس کیاں عروسیاں : رات کی دُلہنیں یعنی تارے ۔
نکامی : ناکامی ، بیکاری ، بیکار ، جس کے پاس کچھ کام نہ ہو ۔
نکو : نہ ۔
نکوں : نہ کہوں ۔
نگاں : نگ کی جمع ۔
نہ نِگن سکنہ : نہ گن سکے ۔
نگوڑیاں : عورتیں ۔
نِمن : مثال ، مانند ۔
نمنگ : (نہ منگ) نہ مانگے ۔
نَو سِکھ : مبتدی ۔
نوشو : نوشہ ، دُولہا ۔
نَول : عمدہ ۔
نوی : نیا ، نئی ۔
نہ سَر جاوے : ختم نہ ہو ۔
نھاٹ : بھاگنا ۔

Scanned with CamScanner